© rasailojaraid.com

شیخ ایاز کے افکار میں سندھی قومیت کا تصور

ڈاکٹر جاوید اقبال*

Abstract

A number of shining stars have emerged on the horizon of modern Sindhi literature in the 20th century. Shaikh Ayaz is one of them who is the leading star of that galaxy. He is no doubt a stalwart literary figure and celebrity of modern Sindhi literature in the contemporary literary world. Shaikh Ayaz composed his poetry in Sindhi, Urdu and English and a number of scholars have translated his poetry in several languages. He is a prose writer too with his enlightened and progressive thoughts. Apart from this Shaikh Ayaz remained a journalist, educationist, critic, short story writer, translator and a member of various socio-political and literary movements in literary journey of his life. Besides his two poetry collections in Urdu, he is also the author of many poetry collections in Urdu. He is also the author of many poetry collection in Sindhi language. The credit of more than three dozen books in all the three languages i.e. Sindhi, Urdu and English goes to his name covering the different literary genres. His thought provoking writings impacted not only the Sindhi literary domain and era but the whole literary scenario of the subcontinent. Shaikh Ayaz is basically a romantic poet but he also gives the impression of a clear nationalistic ideology and socio-political idealism. Thus we can see a blend of romantic ideas and realistic approach in his thoughts. This paper deals with his socio-political and nationalistic thoughts and as a whole with concept of nationalism.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پشتو، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ ایاز جدید سندھی ادب کے سب سے نمایاں اور قدآور شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، مترجم، صحافی، مفکر اور دانشور ہیں، انہوں نے نہ صرف سندھی زبان میں اپنا قلم چلایا ہے بلکہ اردو میں بھی ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، وہ علم و ادب کے مختلف گوشوں میں پچاس سے زیادہ کتابوں اور تحقیقی مقالات کے مصنف، مترجم اور مؤلف ہیں، تحقیق و تنقید کے میدان میں بھی ان کی کاوشوں کی قدر افزائی ہوئی ہے، مگر بنیادی طور پر وہ ایک تخلیق کار ہیں اور تخلیقی ادب کے علاوہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ''شاہ جو رسالہ'' کا سندھی سے اردو میں ترجمہ ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو زندگی بھر ان کی خدمات کا ایک لازوال اور زندہ حوالہ رہے گا۔ ان کی علمی و ادبی خدمات نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی ہیں یوں وہ اپنی خدمات کے تناظر میں سندھ، پاکستان حتٰی کے برصغیر کی سرحدوں کو بھی پار کرتے ہوئے عالمی شخصیت اور اثاثے کے طور پر جلوہ گر ہوئے ہیں۔

شیخ ایاز نے جس زبان اور جس صنفِ ادب میں بھی اپنے افکار کا اظہار کیا ہے انہوں نے اظہارِ خیال کیا ہے تو اپنے کچھ بنیادی موضوعات جیسے انسان دوستی، امن، حقیقت پسندی، ترقی پسندی، بین الاقوامی بھائی چارہ، رومانویت، فلسفہ و تصوف اور دیگر سماجی اور سیاسی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے انہوں نے قومیت اور پھر سندھی قومیت کو بھی مدِ نظر رکھا ہے اور اسی قومی شعور کو بھی اپنے فن کا ایک نمایاں موضوع بنایا ہے۔

اگر ان کی نگارشات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو تخلیقی ادب میں ان کی شاعری اور افسانے میں سندھی قومیت کا تصور نمایاں طور پر سامنے آئے گا اور تنقیدی و تحقیقی نگارشات میں بھی انہوں نے جابجا سندھی قومیت اور سیاسی شعور کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس مقالہ میں ہم پہلے ان کی تحریروں میں مجموعی طور پر سندھی قومیت کا تصور واضح کرنے اور پھر تخلیقی ادب میں ان کی شاعری اور افسانوں میں اس تصور کو بطورِ خاص اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے مونیس شیخ کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے مجموعی طور پر شیخ ایاز کی تحریروں کے اجتماعی موضوعات کے ساتھ ساتھ سندھی قومیت کے پہلو پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی بات کی ہے، مونیس شیخ نے ایک حالیہ کانفرنس میں شیخ ایاز کی تحریروں میں اس کے تصور قومیت کے بارے میں جو کہا تھا اس کا خلاصہ ۶ جولائی ۲۰۱۵ء کے انگریزی روزنامہ *ڈان* میں چھپا ہے، جس سے ایک جھلک یہاں پیش کرتے ہیں، مونیس شیخ کا مجموعی تاثر یہ تھا:

> Ayaz's love for the people of Sindh and the language is clearly visible in his poetry and has inspired the Sindhi youth to propel for change. One such instance was the establishment of One-Unit which many believed ushered dark times for the province. It was Shaikh Ayaz's poetry that unflamed the youth protest against it; his verses highlighted the socio-economic and political conditions of the people of Sindh and emphasised the role of nationalism.[1]

اس سے پہلے کہ ہم شیخ ایاز کی شاعری اور افسانوں میں سندھی قومیت کے تصور کو اجاگر کریں، ان کی ایک نثری تحریر ''سندھی شاعری کا مزاج'' کے حوالے سے ان کے واضح قومی شعور کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں، شیخ ایاز نے لکھا ہے:

> سندھی شاعری کو پرکھنے کے لئے برصغیر کی مکمل شاعری کے مزاج سے آشنائی ضروری ہے، میرے خیال میں شاعری کا فن اپنے کمال پر پہنچ کر دقیق خیال کا اظہار انتہائی سلیس زبان میں کرتا ہے، لیکن اس زبان کی سلاست اور عام فہمی کی تہہ میں فکر وفن کا ایسا رچاؤ ہوتا ہے، جس میں صدیوں کی مہک بسی ہوئی ہوتی ہے، کسی بھی عظیم شاعر کے ایک سادہ مصرعے پر تنقید یا تبصرے کے لئے نہ صرف اس کے عہد کے قومی اور بین الاقوامی تعصّبات کا تجزیہ اور ان کی جانب اس کے ردعمل کا مطالعہ ضروری ہے، شاعر کی داخلی زندگی کے شعوری ارتقاء اور اس پر اس کی خارجی زندگی کی اثر پذیری کا اندازہ لگانا ہے، بلکہ اس کے تحت الشعور کی اس روشنی کا بھی جائزہ لینا ہے، جس کے سائے، اس کے شعور کے پردے پر بھی پڑتے رہتے ہیں[2]

شیخ ایاز کے اس اظہار خیال سے مجموعی طور پر سندھی شاعری کے مزاج کو سمجھنے اور شاعر و ادیب کے قومی احساس کا ایک مجموعی خاکہ تو واضح ہوتا ہے مگر اس تحریر میں وہ سندھی قومیت کے تصور کو مزید نکھارتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حال کا ازلی منصف مستقبل ہے، بس اس کا فتویٰ اٹل ہے اور مستقبل ہی فتویٰ دے گا کہ جو پیغام سندھ کی جدید شاعری نے دیا ہے، اس میں اس برصغیر کے کوڑھ مارے ضمیر کا علاج ہے یا نہیں، زندگی کوہ بے ستون سہی لیکن کوہ کن کی ضرب میں جوئے شیر کی تلاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو تاریخ نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا، سندھ کی جدید شاعری کا پیغام ہے، کہ بھٹائی عظیم ہے لیکن سندھ عظیم ہے اور بھٹائی سے ہمارا سلسلہ دراصل اپنی دھرتی سے تعلق کا مظہر ہے۔[۳]

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے قومی احساس کو حوالہ بناتے ہوئے انہوں نے سندھی قومیت کی طرف اشارہ تو کردیا مگر اس تحریر میں ایک جگہ براہِ راست شاہ سائیں کے کلام کی خصوصیات، تشبیہات، استعارات، علامات، اصطلاحات، تمثیلات اور سماجیات کو سندھی قومیت کا ترجمان بتائے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اس دھرتی کے پیام بَر کی صدا ہے، جس نے انسانی مادے اور روحانی ضرورتوں میں ایک مستقل رابطہ تلاش کرلیا ہے۔ یہ خداداد صلاحیت اس دھرتی کی دین ہے، آپ نے سائیں عنایت کا کلام پڑھا ہے تو آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ عنایت میں بھی یہ لوک کہانیاں، تمثیلیں، محاورے، استعارے، علامتیں، ادب اشارے، تشبیہات، تخیل، کلام کی فصاحت اور زبان کی سلاست، غرضیکہ سبھی کچھ اسی رنگ روپ اور سج دھج سے ملتے ہیں، جس طرح بھٹائی کے کلام میں موجود ہیں۔ تاریخ کی ستم ظریفی کے سبب سندھی زبان کے اس سے پیشتر کی تخلیقات نایاب ہوگئی ہیں، ورنہ ان روایات کا تسلسل تلاش کیا جاسکتا تھا اور ان کا تعلق سینکڑوں صدیوں تک مل سکتا تھا، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ شاہ لطیف کا وجود کسی طرح کی ازلی شعبدے بازی نہیں ہے بلکہ اس دھرتی کے فن اور فکر کے درجہ بہ درجہ ارتقا کا حاصل ہے اور جب شاہ لطیف آیا تو سورج کی مانند چھا گیا جس کی خیرگی میں سارے ستارے مدہم پڑگئے۔[۴]

اس طرح سندھ یونیورسٹی اور انجنیئر نگ کالج جامشورو کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے دسمبر ۱۹۶۷ء کو ایک صدارتی خطبے میں کہا تھا کہ:

میرے دوستو! یہ ''جئے سندھ'' محض جذباتی نعرہ نہیں ہے، جس سے جھوٹ کے قلعے ہلنے لگتے ہیں اور ان کے برجوں میں لرزش ہونے لگتی ہے، اس نعرے کے پس منظر میں ثقافت اور قومیت کا وہ تخیل ہے جو سندھ کی تقدیر بدل سکتا ہے، اور جو اس مصنوعی ثقافت کی جڑ پر کلہاڑی کا وار ہے جو آپ پر مسلط کردی گئی ہے، قومیت نہ محض بولی کا رشتہ ہے اور نہ فقط روٹی کا رشتہ، قومیت ان تمام روابط کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے، سنبل کی گرھوں میں جب تک دہقانیوں کا دل گندھا نہیں ہو، تب تک قومیت کا تخیل مکمل نہیں ہوتا، قوم، زبان کا اشتراک، زمین کا اشتراک اور معاش کا اشتراک بھی ہے اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشتراک میں انسانوں کی نفسیاتی ساخت کی یکسانی بھی ہے، یہ نفسیاتی ساخت زمان و مکان کے لگاتار سلسلے میں جڑ جاتی ہے اور اس پر اثر انداز بھی ہوتی ہے، یہ دلداری قوم کے مزاج کی جڑ جوتی ہے اور اس کی ثقافت میں پھلتی پھولتی ہے، اس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہے مگر قومی ثقافت میں اس کی مہک دور تک نمایاں رہتی ہے، چھپر کا پتا برسات میں چلتا ہے، اگر بھٹائی اور سچل کا وجود نہ ہوتا تو یہ پیچو (سرخ پھول) اور پیلوؤں کی دھرتی، قوم کو پیدا نہیں کرسکتی تھی، قومیت جنگلی غذا بھی ہے اور اس پر پلنے والا دہقانی بھی، یہ ماروی کی پکار بھی ہے، جس نے صحرا کے ستر کو معنی بخشے ہیں، محض ریاست، قوم کی تخلیق نہیں کرسکتی اور نہ کوئی سطحی سرکاری انتظام اس کی تعمیر کرسکتاہے، قوم، فقط انسانی گروہ بندی نہیں ہے اور نہ قومیت ہجوم کی تعداد اور اس کے درمیان عارضی اتحاد پر مشتمل ہوتی ہے، کاش! میں آپ کو بتاسکوں کہ آج سے بیس سال بعد کا سندھ مجھ کو کیسا نظر آرہا ہے، ممکن ہے اس وقت میں موجود نہ ہوں مگر میری شاعری آپ کے ضمیر میں شامل ہوگی۔۵

یہ وہ بنیادی تصور ہے جس پر شیخ ایاز کی شاعری اور افسانے کی عمارت کھڑی ہے، یہی وہ تصور ہے جو ان کے رومانیت، تصوف، فلسفہ اور دیگر موضوعات میں بھی جھلکتا ہے، اس لئے ہم تخلیقی ادب میں ان کی شاعری اور افسانے میں اسی تصورِ قومیت اور سندھی شناخت کی بازگشت دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاعری

شیخ ایاز نے سندھی اور اردو شاعری کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اردو شاعری میں تو زیادہ توجہ غزل اور نظم کو دی ہے مگر سندھی میں اکثر و بیشتر مروجہ منظوم اصناف میں اظہار خیال کیا ہے اور تقریباً تمام اصناف میں سندھی قومیت کے تصور کو بنیادی موضوع بنایا ہے انہوں نے اگر گیت لکھے یا بیت، وائیاں لکھیں یا دوھے، غزلیں لکھیں یا نظمیں اکثر و بیشتر اصناف میں قومی احساس ان کے مدِ نظر رہا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اگر ایک طرف علامات و استعارات سندھ دھرتی سے لئے ہیں تو دوسری طرف سندھی لوک داستانوں کے کرداروں کو بھی اپنی شاعری میں ایک مخصوص قومی و ثقافتی احساس کے تناظر میں پیش کیا ہے، نامور سندھی ادیبہ فہمیدہ ریاض نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایاز کی شاعری میں سندھ کی لوک داستانوں کے کرداروں کا ذکر بارہا ملتا ہے، ایاز نے ان کرداروں کو ان کے مشہور اوصاف کی بنیاد پر علامتی طور پر استعمال کیا ہے، مثلاً ''مومل'' جو حسن کے لئے مشہور تھی، ''کاک محل'' وہ جادو کا محل جو مومل نے تعمیر کرایا تھا، ''سسی'' کا کردار جو محبوب کے کھوج کی علامت ہے، ''سوھنی'' جو طوفانوں سے ٹکرا جانے کی ہمت کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ کردار بیشتر اردو قارئین کے لئے جانے پہچانے ہیں اور ان کی علامتی اہمیت سمجھنے میں کوئی دقت نہیں پیش آنی چاہیئے، سندھ کی لوک داستانوں میں ایک ایسا مخصوص کردار بھی ہے جو تسلسل کے ساتھ ایاز کی ساری شاعری میں بار بار نظر آتا ہے۔ یہ بیجل کا کردار ہے جو ایاز کی شاعری کا سب سے بلیغ استعارہ ہے، بیجل وہ گائک ہے جو اپنے راگ کے عوض سننے والے کا سر مانگتا ہے، اس لوک داستان میں راج وائے ڈیاچ نے بیجل کا راگ سنا تھا اور اس کے عوض اپنا سر نذر کیا تھا، اس طرح رائے ڈیاچ ایک دوسرا استعارہ بن کر ابھرا ہے جو سُر کی صدا پر لبیک کہنے کی علامت ہے۔[۶]

فہمیدہ ریاض نے سندھ دھرتی سے شیخ ایاز کے فطری لگاؤ کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے شاعرانہ اسلوب کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے جو اسطرح ہے:

ایاز کی شاعری سندھ کی مخصوص دھرتی، اس کے منفرد بیل بوٹوں، پھل پات، پنچھیوں اور ندی نالوں سے سنگھاری ہوئی ہے، یہ شاعری سندھ کی دھرتی سے پھوٹی ہے، اور اس کی اس منفرد خصوصیت کو اجاگر کرنے کے لئے ترجمے میں ان کے نام جوں کے توں رہنے دیئے گئے ہیں، مثلاً ''کُنجھی'' جو سندھ کا ایک سیاہ پرندہ ہے، ''دھوبا'' یا ''بھٹیانی'' جو ندیوں کے نام ہیں، ''سنگری'' جو سندھ کی خاص پھلی ہے، سندھی زبان کے ایسے الفاظ جو آسانی سے اردو میں جذب ہوسکتے ہیں اور جن سے ہماری زبان کا دائرہ اظہار مزید وسعت پائے گا، زیرنظر ترجمے میں برملا کام میں لائے گئے ہیں، مثلاً تخلیق کرنے والے کیلئے ''سر جنہار'' کا لفظ یا ''سربراہ'' کے لئے ''سروان'' کی ترکیب، امید ہے کہ اردو الفاظ کے ذخیرے میں اس اضافے کو قارئین پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔[۷]

یہ تاثرات فہمیدہ ریاض نے شیخ ایاز کی سندھی شاعری کے اردو تراجم کرتے ہوئے ان کے مترجمہ مجموعے کے دیباچے کے طور پر رقم کئے ہیں۔ ان ہی تراجم سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ نمونہ کلام بھی پیش کرتے ہیں، سندھ دھرتی سے فطری محبت کا جذبہ کچھ اس انداز میں بیان کرتا ہے:

کیسا نام دھراؤں؟ بول میں کیا کہلاؤں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہوں بھٹائی، میں ہوں درازی، انھی کا نیہہ نبھاؤں وو
مدرا پیوں اسی معنی کی، سامی نام دھراؤں وو
راکھ میں ڈھونڈ رہا چنگاری، آگ نئی بھڑکاؤں وو
اسی صدا پر لپکوں یارو، سولی سیج سجاؤں وو
میں ہوں جوانی، میں ہوں جوالا، جگ جگ کو جھمکاؤں وو
چیروں پھاڑوں جھوٹ پرانے، سو سو قلعے گراؤں وو
ترے لئے لے آؤں سپنے، عرش ہزار اڑاؤں وو
سب کا جی جھولے میں جھلاؤں، اپنی نیند گنواؤں وو
دیس بدیس نہ میرا کوئی، آپ میں سب کو سماؤں وو
جیون میں جوگی ہوں تیرا، تیری کتھائیں گاؤں وو
تیری پل پل کی پیڑا کو، گیتوں میں سمٹاؤں وو
ترے لئے بن پیت بھکاری، دھرتی! صدا لگاؤں وو
دھرتی میرا دیس، مگر میں سندھ پر پران لٹاؤں وو
بول میں کیا کہلاؤں؟۸

سندھ دھرتی سے پیار کے اس جذبے میں وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پیروکار ہیں اور اسی جذبے کے اظہار میں وہ شاہ سائیں کو بھی شامل کرکے یوں غزل سراہیں۔

یہ کیسی موڑھی مت لوگو	::	دھرتی بھی تو ہے جنت لوگو
یہ مہنگی چنری ریشم کی	::	لو پریت گنوائے پت لوگو
یہ کھلے کنول سے پاؤں تھے	::	جو کاٹ گئے پر بت لوگو
کوئی منزل ہے دو پہری کی	::	کیوں ساری باٹ آتت لوگو
یوں کس نے پکارا سولی کو	::	اک گیت پہ ہے یہ گت لوگو
کس مہندی رت کی ریت نے کی	::	دھرتی خوں میں لت پت لوگو
یہ پیار کنی، تھوڑی بھی گھنی	::	کی مانگ تانگ پورت لوگو
یہ سپنوں کا تانا بانا	::	یہ آدھی رات بنت لوگو
کچھ شاہ نے دی کچھ شیخ نے دی	::	اس سندھڑی کو صورت لوگو ۹

وہ غزل کے علاوہ نظم، گیت، بیت اور دیگر اصناف کو بھی اس تصور کا نمائندہ گردانتے ہوئے کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظم کہاں، جو روح نہیں گرماتی ہے
وہ اپنی منزل کو بھلا کب پاتی ہے
اس کی گونج کا کیا کیجئے محبوب کا جو
گونج ہمیں پیغام نہیں پہنچاتی ہے
گیت مرے ہیں آہیں تپتی دھرتی کی
گُن والی کب یوں ہی گیت سناتی ہے
ہاتھ چلا، او ڈوبنے والے، ارے فقط
پیت کسی کو پار نہیں پہنچاتی ہے
چیخ رہے راکاس مگر کیا ڈر ہے ایاز
تیری دھرتی ابھی کہاں گھبراتی ہے ۱۰

اسی لئے تو نامور ادیب حمایت علی شاعر نے ان کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے درست کہا تھا کہ:

شاعری کسی زبان میں ہو، جب تک شاعر کی شخصیت کی پہچان نہ بنے، ھینگر پر لٹکے ہوئے لباس سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لباس کو اپنے جسم اور اپنی شخصیت کے مطابق بنانے کے لئے بہت سی کتر بیونت اور نقش کاری کی ضرورت ہوتی ہے، شیخ ایاز کے خیالات نئے تھے، انداز بیان میں بھی ندرت تھی، مگر زبان وہی تھی جو اس کے ہمعصر شعراء لکھ رہے تھے، یعنی فارسی آمیز سندھی، چنانچہ جب اس نے'' نغمگی کے قد بالا پر قبائے تنگ'' محسوس کی تو یہ لباس ہی اتار دیا، اس نے دلی اجرک کی طرف توجہ دی اور اپنی شاعری کے لئے دیسی پوشاک تیار کرنے لگا۔ شیخ ایاز نے اس لگن میں سندھ کے دور دراز دیہاتوں کا سفر کیا اور وہ الفاظ جمع کئے جو زندگی کی متحرک اور جیتی جاگتی حقیقتوں کے ترجمان تھے، تجربہ، مشاہدہ اور مطالعہ اس کے ذہنی افق کو جتنا وسیع اور روشن کرتا گیا، اس کے دھرتی اور اس کے دلوں کا روپ اتنا ہی نکھر کر اس کی نظروں میں آنے لگا، اور بالآخر اپنی دھرتی اور اپنے لوگ اس کے محرکات شعری کا محور بن گئے، وہ انسان، حیات اور کائینات کے تخیلی اور تجریدی مثلث سے باہر نکل آیا اور آدمی کو اس کے معاشرے میں اور معاشرے کو اس کے مخصوص سیاسی اور اقتصادی پس منظر میں دیکھنے لگا، اس جستجو میں وہ تاریخی صداقتیں بھی اس پر منکشف ہوئیں جو کسی دھرتی، کسی تہذیب اور کسی قوم کے تشخص کی علامت ہوتی ہیں، ایاز نے اس تشخص کی کھوج میں تاریخ کا لامتناہی سفر کیا اور فرد و جماعت کی ہم رشتگی، ان کے عمل اور ردعمل، اور عہد بہ عہد بدلتی ہوئی اقدار کے آئینے میں ماضی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لمحہ موجود کا وہ ربط دریافت کیا جو ازل کو ابد سے باندھ دیتا ہے۔۱۱

شیخ ایاز کی اس طرز کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے حمایت علی شاعر اور فہمیدہ ریاض کے دیئے گئے اقتباسات میں ان کی رائے کی تائید خود بخود مل جاتی ہے، اس تناظر میں فہمیدہ ریاض کی مجموعی رائے کچھ اس انداز میں سامنے آتی ہے جس میں وہ رقم طراز ہے کہ:

> شیخ ایاز کی قوم پرستی والی شاعری کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس قسم کی شاعری ہے جو کسی غیر سندھی کے دل میں بھی سندھ سے عشق پیدا کرسکتی ہے، یہی بڑی شاعری کا راز ہے، جب ہم محمود درویش کی نظمیں پڑھتے ہیں تو ہمارے دل کو ایک دھچکا لگتا ہے اور ہم ایک فلسطینی بن کر سوچنے لگتے ہیں، اسی طرح پابلو نرودا کی ''ہائٹس آف ماچو پیچو'' پڑھیں تو اس وقت آپ لاطینی امریکا کے کوئلے کے ایک مزدور کے قالب میں خود کو محسوس کریں گے۔ کیونکہ اس کی شاعری میں کسی بھی قسم کی شاونزم نہیں ہے، دوسروں پر حملہ کرنے یا کسی پر قبضہ کرنے کی خواہش نظر نہیں آتی، بلکہ اس میں وہی آفاقی اقدار ہیں جو اس پوری دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والوں کی امنگوں کا آئینہ بن سکتی ہیں، اس میں دھرتی سے پیار، اس کے پھولوں سے پیار، اس کے کانٹوں سے، اس کی شاخوں سے، اس کے دریاؤں سے، ریگستانوں سے بے پناہ محبت جھلکتی ہے اور دنیا میں کوئی کہیں بھی رہتا ہو، اس کی اپنے وطن سے محبت یوں ہی محسوس ہوتی ہے، جس طرح ایاز نے اپنی شاعری میں اسے پیش کیا ہے۔۱۲

شیخ ایاز کی قومیت بھی ایک منفرد اور الگ زاویہ نظر سے پرکھنے کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ وہ عالمگیر انسانیت کا بھی قائل ہے۔ پوری دنیا میں ظلم و جبر اور استحصال و ناانصافی کے خلاف مزاحمت کا حامی ہے اور انسانیت کے اس عالمگیر تناظر میں وہ سندھ قومیت کی بات بھی کرتے ہیں۔ اس کی اس منفرد قومیت کو واضح کرنے کیلئے محمد علی صدیقی کا ایک حوالہ پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے ان کا تصور قومیت سندھی تہذیب سے لے کر برصغیر کے تہذیبی ورثہ کے ساتھ ملا کر دیکھا ہے اور لکھا ہے:

> وہ سندھ کے قوم پرستوں کے لئے خود اپنی قوم پرستانہ شاعری کے لئے قابل داد تقلید ٹھہرتے ہوں لیکن میرے لئے وہ اس لئے بھی لائق تعظیم تھے کہ وہ شاید آج کے پاکستان پر مشتمل علاقوں کے لئے برصغیر کی ادبی اور تہذیبی روایت کے آخری بڑے امین تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے سندھی قوم پرستی کے امر کو برصغیر کی ادبی تہذیبی روایت سے متصادم ہونے نہیں دیا[۱۳]

چونکہ ان کے اس منفرد تصور قومیت جس میں عالمگیریت بھی شامل ہو ،کا عکس ان کے افسانوں میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اسلئے ان کی افسانہ نگاری کے تناظر میں اس تصور کو مزید واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ واضح طور پر شیخ ایاز کی وہ فکری تصویر بھی سامنے آسکے جس میں وہ عالمی انسانی تناظر میں بھی سندھی تصورِ قومیت کو فراموش نہیں کرتے، مگر افسانہ نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے ان کی اردو شاعری کا بھی اسی تناظر میں مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

شیخ ایاز کی اردو شاعری کے تین مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں، پہلا مجموعہ ''بوئے گل نالہ دل'' کے نام سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے، دوسرا مجموعہ ''نیل کنٹھ اور نیم کے پتے'' ۱۹۸۸ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے، اور تیسرا مجموعہ ''کف گلفروش'' کے نام سے مرتب کیا تھا مگر وہ طباعت کے مراحل سے گزر نہ سکا ان کے اردو مجموعے *نیل کنٹھ اور نیم کے پتے* کے دیباچہ میں جس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے اس سے شیخ کی اردو شاعری میں بھی سندھی تصورِ قومیت کا احساس سامنے آتا ہے، مسرت مرزا اور مرحب قاسمی کے مرتب کردہ اس مجموعہ کے دیباچہ میں ان کا سندھی قومیت کا احساس یوں سامنے آتا ہے:

> ایاز کی شاعری کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟ اپنے خطہ زمیں سے پیار اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف ایک تیز و تند احتجاج ان کی شاعری کے ایک بڑے حصے کا سرچشمہ رہا ہے، اور اس احتجاج نے بھی سورنگ اختیار کئے ہیں، کہیں گہرا دکھ، کہیں بھڑکتا ہوا غصہ، کہیں کٹیلا طنز، زہر خند تو کہیں تسلی بھری شفقت کے بول، غرض ایاز کی سندھ کے لئے شاعری بذاتِ خود اپنے اندر ایک عالم رکھتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ غیر سندھی کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی، یہی اس خاص نوعیت کی شاعری کی عظمت کی پہچان ہے، اسے پڑھنا ایک غیر سندھی کو بھی سندھی بنادیتا ہے، کیونکہ ایاز کی شاعری نسلی تعصب یا نفرت سے بالکل پاک ہے[۱۴]۔

اسی لئے تو حمایت علی شاعر نے انہیں سندھی اور اردو شاعری کا سنگم بھی مانا ہے اور لطیف اور خسرو کے نام سے یہ نظم اپنی تائید میں پیش کی ہے۔

اک جمناں ماں کے کنٹھے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اک سندھو ماں کے صحرا میں
دونوں میں انوکھی پیت کی لو
دونوں میں انوکھے پھول کھلے
دونوں کو ہواؤں کی زد میں
ہم چھوڑ کے نکلے تھے لیکن
وہ لو نہ بجھی، وہ پھول نہ اب تک مرجھائے
اور روشنیوں کی پت جھڑ میں
وہ دیپ نہ اب تک کملائے
ہاں ان کی روشن خوشبو میں
ہم اب تک رستہ ڈھونڈتے ہیں
جب پیت نگر سے بھٹکے تھے
اس پیت تک نگر کو لوٹتے ہیں ۱۵

ڈاکٹر فہمیدہ حسین نے اسی تناظر میں شیخ ایاز کو مزاحمتی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ قومیت کا ترجمان بھی گردانا ہے اور لکھا ہے:

> سندھ کی مزاحمتی شاعری کی تاریخ میں شیخ ایاز سب سے پہلے نمایاں شاعر ہیں، جنہوں نے ہر ظلم اور جبر پر آواز بلند کی، جس کی وجہ سے وہ پابند سلاسل بھی کیے گئے اور ان کی کتابوں پر بندش عائد کی گئی، ان کا جذبہ حب الوطنی اور فلسفہ قومیت دیگر شعراء سے بالکل ہی مختلف اور انوکھا ہے۔۱۶

شیخ ایاز نے بھی اپنی اردو شاعری میں قومیت کے احساس کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ مزاحمتی اور انقلابی رویہ کو بھی فراموش نہیں کیا، حتیٰ کے شاعر، ادیب اور دانشور کو بھی ہر ظلم و جبر اور استحصال کے سامنے مزاحمت اور ثابت قدمی کا درس دیا ہے، جیسے ''نیل کنٹھ اور نیم کے پتے'' میں آزاد نظم کی ہیئت میں کہتے ہیں:

میرے دیدہ ورو!
میرے دانش ورو!
پاؤں زخمی سہی ڈگمگاتے چلو
راہ میں سنگ و آہن کے ٹکراؤ سے
اپنی زنجیر کو جگمگاتے چلو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روکشِ نیک و بد
کتنے کوتاہ قد
سر میں بادل لیے
ہیں تہہ کیئے
بارش زہر کا
اک نئے قہر کا
میرے دیدہ ورو!
اپنی تحریر سے
اپنی تقدیر کو
نقش کرتے چلو
تھام لو ایک دم
یہ عصائے قلم
ایک فرعون کیا لاکھ فرعون ہوں
ڈوب ہی جائیں گے
جل رہے ہیں نگر
جل رہے ہیں ڈگر
پھول مرجھا گئے
پات جھڑنے لگے
یہ گھڑی یہ گھڑی
کیسی آئی کڑی
کوئی ساون جھڑی
کوئی ساون جھڑی!
اے گرج اے کڑک
دے دلوں کو دھڑک
بادلوں کے دھنی
یہاں پہن لے مری
آنسوؤں کی لڑی!
کیسی بپتا پڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیسی بپتا پڑی!
پھول مرجھا گئے
پات جھڑنے لگے۱۷

افسانہ

جس تصورِ قومیت کو شیخ ایاز نے اپنی شاعری کا محور بنایا ہے اسی تصور کو انہوں نے اپنے افسانے میں بھی پیش کیا ہے، ان کے افسانوں کے کردار، ماحول، موضوعات اور مسائل سب ہی سندھ دھرتی سے جنم لیتے ہیں اور افسانے کے کرِچ پر نمودار ہوتے ہیں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا، اسی مجموعے کے دیباچے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ایسا لگتا ہے جیسے سندھی ادیب، شاعر، قلمکار سارے کے سارے غیر سندھی ہیں، وہ سندھی ماحول، معاشرے، تہذیب، رہن سہن، بول چال، نشست و برخاست، رسموں، ریتوں، خامیوں، خوبیوں سے یا تو ناواقف ہیں یا ان تمام اقدار سے متنفر ہیں، کوئی بھی سندھی کہانی نثر و نظم کا شہپارہ لے لیجئے اس میں لکھنؤ، مہاراشٹر اور بنگال کی روح اور بو ضرور ملے گی، سندھ کی نہیں یہاں تک کہ اداکاروں کے نام بھی سندھی نہیں ہوتے، میں نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔میرے خیال میں سندھی ایک علیحدہ قوم ہیں، انکی زندگی، امیدیں، آرزوئیں، روایتیں، زبان، انکے نام غرض ہر چیز ہندوستان کے تمام علاقوں اور صوبوں سے یکسر مختلف ہے، شاید یہ ساتھ کا اثر ہے کہ قلم کار کے اندرونی احساسات و جذبات بیرونی ماحول سے متاثر ہیں، ایسا نہ ہو تو سندھی ادب کی بھی اپنی ایک انفرادیت ہو، ایک خاص رنگ اور ادا کا مالک ہوجائے اور اگر یہ رنگ اور یہ خصوصیت کسی کہانی میں موجزن نہ ہو تو یہ اس کوے کی مثال بن جائے گی جو ہنس کی چال اپنانے کے چکر میں اپنی چال بھی بھول بیٹھا تھا۔ ۱۸

وہ اپنے افسانے سندھ سے محبت کا فنی اظہار سمجھتے ہیں اور اسی مجموعے کے دیباچے میں یہ بھی لکھتے ہیں:

> میں اپنی زبان اسکے محاورات اور اسکی قوتِ اظہار کے بارے میں کچھ لکھنا نہیں چاہتا یہ کمی دوسرے لوگ پوری کریں گے کہ اس میں خامیاں ہیں یا خوبیاں، پستیاں ہیں کہ بلندیاں، بے ربط صدائیں ہیں یا بامقصد بیداریاں، مجھے تو صرف یہ فخر ہے کہ میں نے سندھ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت میں سندھی کہانیاں پیش کی ہیں۔ ۱۹

شیخ ایاز نے اپنے پہلے افسانوی مجموعے کا نام ہی ''ہمارا سندھ'' رکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ دھرتی اور سندھی شناخت سے ان کو کس درجہ لگاؤ ہے اور سندھی قومیت کے احساس سے ان کو کتنا پیار ہے، ہم اس موقع پر ان کے افسانوں سے اقتباسات تو پیش نہیں کرسکتے، البتہ ان کے افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر انور فگار ھکڑو کی مختصر اظہارِ خیال میں ہمیں اندازہ ہوسکتا ہے کہ سندھی ثقافت اور اقدار کو انہوں نے کس وابستگی اور کتنی محبت سے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انور فگار ھکڑو ''اساں جی سندھ'' (ہمارا سندھ) کے افسانوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ہمارا سندھ (اسانجی سند) نامی کتاب میں شامل زندہ کہانیاں پیارا بھائی (موہن پنجابی) ہمارا ہمسایہ (سانجو پاڑیسری) (شیخ ایاز) ''ہراس'' (رام امرلعل پنجوانی) ''دشمن'' (کیرت بابانی) ہیں، شیخ ایاز کی کہانیاں اور دیگر تخلیقات ادب کے ساتھ سماج پر اثر انداز ہونے لگیں، ان سے پسماندہ سماج کی جامد سوچ آگے بڑھی اور اسے وسعت نصیب ہوگئی، وہ ادبی نشستوں اور وسعتوں کی محفلوں میں بھی نئی فکر کی تبلیغ کرتے رہے۔ ۲۰

شیخ ایاز کے افسانوں کا ایک اور مجموعہ ۱۹۵۴ء میں ''پنھل کان پوء'' کے نام سے شیخ عبدالرزاق راز نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، اسکے بعد انور فگار ھکڑو نے ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ افسانے یکجا کرکے ۱۹۹۸ء میں شیخ ایاز کی وفات کے بعد ''گرتار کے برابر تولؤ'' کے نام سے سندھی اکیڈمی کراچی سے شائع کئے اسی آخری افسانوی کلیات (مجموعے) کے منظر عام پر آنے کے بعد شیخ ایاز کے افسانوں کے بارے میں ناقدین و محققین اور دانشوروں کی مزید آراء بھی سامنے آئیں اور شیخ ایاز کے افسانوں کے موضوعات بھی مزید نکھر کر سامنے آئے اس تناظر میں ڈاکٹر قاضی خادم نے ان کے افسانوں میں سندھ دھرتی کی خوشبو اور سندھی تصورِ قومیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> شیخ ایاز سندھ کے جدید افسانہ نگاری کے بانی ہیں، ان کے افسانوں میں خالص سندھی زبان اور اپنے زمانے کی بھر پور عکاسی موجود ہے، حالانکہ موجودہ دور میں افسانے ایک الگ انداز اختیار کرگئے ہیں، لیکن مقصد اور فکر کے لحاظ سے ایاز کے افسانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزوں کے تسلط کے زمانے میں سندھ کے بیباک ادیبوں نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمیر کا ساتھ دیکر انقلابی ادب تخلیق کیا ۲۱

ان کے افسانوں کے بارے میں کچھ ایسے تنقیدی تاثرات بھی سامنے آئے جن سے سیاستدانوں نے اپنی سیاست کو چمکانے کا مقصد حاصل کیا اور کہیں کہیں شیخ ایاز کے سندھی قومیت کے احساس کو یوں ہدف تنقید بھی بنایا کہ انہوں نے سندھیوں کے علاوہ باقی انسانوں کی مظلومیت اور حقوق آزادی کو بھی موضوع سخن بنایا ہے، اگرچہ شیخ ایاز نے سندھیت کے ساتھ ساتھ مظلوم انسانیت اور پسے ہوئے طبقہ کو عالمی جبر و استحصال کے تناظر میں دیکھا ہے اور یوں گویا ہوئے کہ:

> آج ہم زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہیں ممکن ہے کہ اس نئی ترقی کی کش مکش میں ہماری منفرد تہذیب، الگ قومیت، زبان، ادب، آرٹ (فن) اقتصادی ترقی اور ذاتی شخصیت سب کچھ مٹ جائے اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ ہم سندھی ایک الگ قوم ہیں، ہماری طرز زندگی، رہن سہن، نشست و برخاست، خوراک، بول چال، وہم وخیال، امنگیں، رسم و رواج، مشغولیات و مصروفیات میں ہر ایک کا ایک جدا رنگ اور ڈھنگ ہے، ہمارا دار و مدار خصوصاً سندھو دریا پر ہی ہے، ململ و تہبند ہمارا مخصوص لباس ہے، بلھاڑا اور ونجھوٹی ہمارے کھیل ہیں، گھڑا سندھ کا سادہ ترین ساز ہے، کافی فقط ہماری ہی شاعری کی ایک صنف ہے، مومل رانو، سسی پنوں رائے ڈیاچ صرف ہماری ہی کتھاؤں کا حصہ ہیں ۲۲

وہ تو سندھ کے ہندو باسیوں کو بھی احساس دلاتے ہیں کہ عقیدہ و مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے مگر قومیت و ثقافت اجتماعی شناخت کا حوالہ بنتا ہے، لہٰذا آزادی کے بعد نقل مکانی کرنے والے ہندوؤں سے بھی ان کا مخاطبہ کچھ اس انداز کا ہے جس میں سندھ دھرتی اور سندھی شناخت کا شدید احساس جھلکتا ہے، وہ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

> اے سندھی ہندو! تیری ہوا کیوں اکھڑ گئی ہے؟ تو اس قدر ہراساں کیوں ہے؟ گومگو کا شکار نہ ہو کچھ سوچ سمجھ سے کام لے۔ اپنے اوسان اور ہمت مجتمع رکھو۔ جے پور، اودے پور یا کہیں بھی سندھ سے باہر جا کر تو خودکشی کا مرتکب ہو رہا ہے، جن لوگوں سے تیری کوئی جان پہچان اور رہ و رسم بھی نہیں، جنکی بولی اور تہذیب تیرے لئے بالکل ہی اجنبی ہے ان لوگوں کے ساتھ جینا خودکشی نہیں تو اور کیا ہے؟ جہاں زندگی کے پھولنے پھلنے کیلئے فضا سازگار نہ ہو، جہاں جذبات و احساسات دب کر گھٹ جائیں، جہاں کوئی فردِ واحد بھی دوستی کا دم بھرنے والا نہ ہو، جہاں اجنبیت اور دھکے ہوں وہاں زندگی موت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدتر ہے، کیا سیاسی اور سماجی خودکشی کے مقابلے میں اپنے ہم قوم بھائی کے ہاتھوں مارا جانا پسندیدہ تر نہیں، جینے کا مزا تو یہیں ہے۔۲۳

اختتامیہ

ہم نے اس مقالہ میں دیکھا کہ شیخ ایاز نے کس فصاحت سے اور کتنی وابستگی، لگاوٴ اور پیار سے سندھی تصور قومیت کو اپنے فن کا حصہ بنایا ہے، انہوں نے نہ صرف اپنے تخلیقی ادب، شاعری اور افسانہ میں اس تصور کو روشن کرنے کی سعی کی ہے بلکہ اپنی نثری تحاریر اور تقاریر میں بھی اسی احساس کی ترجمانی کی ہے ان کے تنقیدی مضامین سے لے کر ان کے خطبات تک میں یہی صدا گونجتی ہے اور اپنی منفرد آواز و انداز میں یہ صدا کانوں تک پہنچتی ہے اگر ہم تصور قومیت کے اظہار کے سلسلے میں ان کی انفرادیت کو خلاصہ کے طور پر بیان کریں گے تو یہی کہیں گے کہ انہوں نے سندھی قومیت، شناخت، ثقافت اور ملی اقدار کو برصغیر اور پھر عالمی تناظر کے وسیع تر منظر نامہ میں پیش کیا ہے اور یوں اقوامِ عالم کے گونا گوں حوالوں میں سندھی قومیت اور سندھ دھرتی کی الگ پہچان بھی کرائی ہے۔

حوالہ جات

1. Moonis Shaikh, "Shaikh Ayaz and Resistance Poetry", Daily *Dawn* July 6th, 2015.

۲۔ آصف فرخی/ شاہ محمد پیرزادہ، شیخ ایاز، *سندھی شاعری کا مزاج*، مشمولہ فکرِ ایاز، مکتبہ دانیال کراچی (س ن) ص۲۶۹۔

۳۔ ایضاً،ص ص۲۷۳۔

۴۔ ایضاً، ص۲۷۲-۲۷۳۔

۵۔ شیخ ایاز، *تقریر*، مشمولہ فکر ایاز، ص ۲۷۵۔

۶۔ ریاض، فہمیدہ، *حلقہ میری زنجیر کا*، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی جامشورو، ۱۹۷۹ء ص۔ د

۷۔ ایضاً، ص ج۔

۸۔ ''شیخ ایاز''، بحوالہ *حلقہ میری زنجیر کا*، ص ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۰۔
۱۰۔ ایضاً، ص۱۱۲۔
۱۱۔ شاعر، حمایت علی، ''شیخ ایاز، شخص اور شاعر''، مشمولہ، *حلقہ میری زنجیر کا* ،ص ص۲۹۲، ۲۹۳۔
۱۲۔ فہمیدہ ریاض، *شیخ ایاز سے ملاقاتیں*، مشمولہ ''ذکر ایاز''، (مرتبہ آصف فرخی/ شاہ محمد پیرزادہ، ۱۹۹۹ء ص۸۸۔
۱۳۔ محمد علی صدیقی، ''سندھ دھرتی کی طرح امر''، مشمولہ *ذکر ایاز*، ص ۱۰۵۔
۱۴۔ انور فگار ھکڑو، *شیخ ایاز، شخصیت اور فن*، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص۶۰۔
۱۵۔ شیخ ایاز، بحوالہ *ذکر ایاز*، ص۱۷۳۔
۱۶۔ فہمیدہ حسین، ''شیخ ایاز نے کیا چاہا تھا''، مشمولہ *ذکر ایاز*، ص۷۶۔
۱۷۔ شیخ ایاز، بحوالہ *شیخ ایاز، شخصیت اور فن*، (از ڈاکٹر انور فگار ھکڑو) ص۶۱، ۶۲۔
۱۸۔ شیخ ایاز، بحوالہ *شیخ ایاز شخصیت اور فن* ۶۸۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۸۔
۲۰۔ انور فگار ھکڑو، *شیخ ایاز شخصیت اور فن*، ص۷۰۔
۲۱۔ قاضی خادم، بحوالہ *شیخ ایاز، شخصیت اور فن*، ۷۱۔
۲۲۔ انور فگار ھکڑو، ڈاکٹر، *شیخ ایاز، شخصیت اور فن*، ص۶۹۔
۲۳۔ ایضاً، ص ص۶۹-۷۰۔

© rasailojaraid.com